خصوصیاتِ صحابہ کرامؓ

قرآن حکیم کی روشنی میں

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

(۱) جماعتِ صحابہؓ کا اتحاد خدائی معجزہ تھا، جس نے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں محبت پیدا کرکے انہیں اسلام کی عظیم قوتِ نافذہ بنا دیا۔

(۲) جماعتِ صحابہؓ میں حکمِ الٰہی کی اتباع فطری صفت تھی، جس نے جماعتِ صحابہؓ کو "امتِ مسلمہ" کا صحیح مصداق بنا دیا۔

یہ دو بنیادی حقیقتیں ہیں، جن کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کا صحیح تعارف ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.

(۱) جماعتِ صحابہؓ کا اتحاد

قرآن کریم نے جماعتِ صحابہؓ کے اتحاد و اتفاق کو جس فکر انگیز اسلوب میں بیان کیا ہے اس پر غور کرو:

" وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(الانفال: ۶۲-۶۴)

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: " اے نبی! اگر آپ دنیا کے تمام مادی وسائل خرچ کرکے بھی ان عربوں کے

© rasailojaraid.

اتحاد پیدا کرنا چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے روحانی قوت کے ذریعہ وہ اتحاد قائم کر دیا۔

مادی وسائل، دولت اور حکومت کے ذریعہ سیاسی اتحاد پیدا ہوتا ہے جو سیاسی اغراض کے تحت وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے رُوحانی قوت سے اتحاد قائم کیا جو دِلوں میں اُلفت اور محبت کی صورت میں نمودار ہُوا۔ دنیوی اغراض سے جو دل جُڑتے ہیں وہ جلدی ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور قلبی محبت سے دِلوں میں جو جوڑ اور میل قائم ہوتا ہے وہ ناقابلِ شکست ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک خدائی معجزہ کے ذریعہ جماعتِ صحابہؓ کو دینِ اسلام اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنا دیا۔

میں اسے خُدائی معجزہ سے تعبیر کر رہا ہوں، کیونکہ اس میں تمام مخلوق کے ساتھ رسولِ پاک کو بھی چیلنج کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں پیغمبری معجزہ، وہ ہے جس میں مخلوق کو چیلنج کیا جاتا ہے، جیسے قرآن کریم کے بارے فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرہ:۲۳) یہ تعبیر کا فرق ہے، ورنہ معجزہ خدا کی وہ قوت ہے جو نبی و رسول کے ہاتھ پر اس کی صداقت کا نشان بن کر ظاہر ہوتی ہے۔

سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۰۳) میں اس اتحاد کو خدا تعالیٰ کا عظیم انعام قرار دیا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔

"یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل و کرم سے بھائی بھائی ہو گئے۔"

اتحاد کا نتیجہ

دعوت و تبلیغ کے میدان میں جماعتِ صحابہ رضؓ کا اتحاد تیرہ سالہ مکی زندگی کے مظالم

© rasailojaraid.

شدائد میں دیکھا گیا۔ اس ظلم و تشدد کے دور میں مظلوم صحابہ رضؓ کے اندر اگر اتحاد اور تعاون نہ ہوتا تو یہ دور کیسے گذر سکتا تھا؟ سیاسی میدان میں اس اتحاد ہی کا معجزہ تھا کہ تین سو تیرہ کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں نے ایک ہزار یعنی اپنے سے تین گنا مسلح فوج پر فتح حاصل کرلی ــــ اور یہ حق کی پہلی فتح تھی۔ پھر اسی اتحاد کا نتیجہ تھا کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کے نئے وطن میں غربت اور بے سروسامانی کی مشکلات پر قابو حاصل کیا گیا۔

صحابہ رضؓ کے درمیان مواخات

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ کے اندر اس فطری اور الہامی جذبۂ اتحاد کو عملی شکل دینے کی غرض سے پہلے قریشی مسلمانوں (مہاجرین) میں مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم کرایا اور پھر مدینہ منورہ تشریف لاکر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کرائی۔ پھر مسلم معاشرہ کو ہر قسم کے رنگ و نسل اور خاندان و قبیلہ کے امتیازات سے پاک کرکے خالص توحید پر ایک امت بنانے کے بعد مدینہ کے غیر مسلموں (یہود) کے ساتھ ایک شہری معاہدۂ امن طے کیا۔ معاہدۂ اخوت اور معاہدۂ امن کی دفعات کو دیکھ کر دنیا کا ہر دانشور پکار اٹھتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ترین داعیٔ حق اور بے مثال اجتماعی و سیاسی مدبّر تھے۔

خدائی معجزہ : نبوّت کی طاقت

سورۃ الانفال (آیت ۶۴) میں جماعتِ صحابہ رضؓ کو خدائی نصرت کے بعد نبوّت کی طاقت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے آیت ۶۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کفایت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اگر دشمن آپ کو دھوکا دیں تو کوئی پرواہ کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔ آیت ۶۴ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کفایت کے ساتھ صحابہ کرام رضؓ کی کفایت پر بھی توجہ دلائی ہے۔

© rasailojaraid.

ہم اس اہم آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اختیار کردہ تاویل کو ترجیح دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ یہ ہے :

" اے پیغمبرؐ! کفایت است ترا خدا و کفایت کنند ترا آنانکہ پیروی تو کردہ اند از مسلماناں ۔"

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی حضرت شاہ صاحب کی ترکیبِ نحوی کو پسند کیا ہے۔ مولانا کا ترجمہ یہ ہے :

" اے نبیؐ! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔"

یہ ترجمہ بصرہ کے اہلِ نحو کی ترکیب کے مطابق ہے۔ یہ حضرات " وَمَن " کا عطف قرب کی وجہ سے لفظ " اللہ " پر کرتے ہیں جبکہ دوسرے نحوی " حَسْبُكَ " کے کافِ خطاب پر کرتے ہیں، جس سے آیت کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ یعنی آپؐ کے لیے اور ایمان والوں کے لیے اللہ کافی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اس خدائی اعلان کا سبب یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کو پہلی آیت میں خدائی معجزہ قرار دیا گیا ہے، ورنہ مادی اسباب کے لحاظ سے خدا تعالےٰ نے حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (الزمر : ۳۶)

" کیا اللہ تعالےٰ اپنے بندۂ خاص (حضرت محمدؐ) کے لیے کافی نہیں ہے ؟ پھر یہ مخالفین (اے نبی!) آپ کو غیر اللہ کی قوتوں سے کیوں خوف زدہ کرتے ہیں؟"

قرآن کریم نے کفایت و کافی ہونے کی وجہ (عبدیتِ خاص) بیان کرنے کی غرض سے یہ اسلوب اختیار کیا کہ پہلے فقرہ میں حضورؐ کو ضمیرِ غائب سے یاد کیا اور دوسرے فقرہ میں ضمیرِ خطاب لا کر آپؐ کو مخاطب فرمایا، ورنہ دونوں فقروں کے درمیان یکسانیت قائم کرنے کا تقاضہ یہ تھا کہ دونوں میں ایک ہی قسم کی ضمیریں لائی جاتیں۔

© rasailojaraid.com

جماعت نہیں بلکہ عصابہ!

جماعتِ صحابہ رضؓ کے اس معجزانہ اتحاد کے لیے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بدر کی مشہور دعا میں "عصابہ" کا لفظ استعمال فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَنْ تُعْبَدَ اَبَدًا

خداوندا! اگر تُو نے اس مضبوط جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہیں ہو سکے گی۔"

عصابہ، عصب (بمعنی پٹھہ) سے بنایا گیا ہے۔ جسم کے اندر پٹھا نہایت مضبوط ہوتا ہے، اس لیے ایک مضبوط جماعت کو بھی عرب عصابہ کہتے تھے۔ تعصب بمعنی سختی بھی اسی لئے ہے۔ جسم کا عصب سے زیادہ مضبوط جزء 'عظم' (ہڈی) ہے، لیکن عرب عظم سے عظامہ نہیں بناتے، کیونکہ ہڈی میں لوزح نہیں ہوتا، یہ زور دینے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ جبکہ پٹھا نرم ہوتا ہے، لوچ کھا جاتا ہے۔

باہمی محبّت کی روشن مثالیں!

صحابہ رضؓ کی پوری تاریخ باہمی محبّت و الفت کی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ذیل میں اختصار کی غرض سے صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضؓ کی تعریف میں حضرت عائشہ رضؓ کا قول:

حضرت عائشہ رضؓ سیدہ فاطمہ زہراء رضؓ کی عرفِ عام کے لحاظ سے سوتیلی ماں ہیں۔ ایک سوتیلی ماں اپنی سوتیلی بیٹی کی تعریف میں کیا کہتی ہے:

"مَا رَأَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا وَكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ"

(مشکوٰۃ ۴۰۲)

عربی کے ان چار جامع لفظوں میں عرب کی ایک زبان دان خاتون نے اپنی ممدوحہ کو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

رسول اکرم ؐ کے ساتھ مکمل مشابہت دینے کی کامیاب کوشش کی۔ مقامِ نبوت کی انفرادیت اپنی جگہ ہے۔ تاریخ کی نزاعی بحثوں کو سامنے رکھ کر غور کرو۔ تعریف کرنے والی ماں کا دل اس بیٹی کی محبت میں کتنا مخلص ہے، آئینہ سے زیادہ صاف اور شفاف ہے۔

(۲) حضرت عمر رضؓ کی تعریف میں حضرت علی رضؓ کا قول

حضرت علی رضؓ کی تعریف کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضؓ بیت المال کے خارش زدہ اونٹوں پر خارش کا تیل اپنے ہاتھ سے مل رہے تھے، دھوپ تیز تھی اور آپ کے سر پر رومال پڑا ہوا تھا۔ اس وقت اتفاق سے حضرت علی رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ ادھر آنکلے۔ حضرت علی رضؓ نے کہا:

"اے عمرؓ! یہ خدمت کسی غلام سے لے لی ہوتی!" حضرت عمر رضؓ نے فرمایا: "علی! قوم کا سردار قوم کا خادم ہی ہوتا ہے" (سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ)۔

حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"حضرت شعیبؑ کی بیٹی نے جس اجیر و مزدور کی تعریف میں کہا تھا:

اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ۝ (القصص: ۲۶، بہترین اجیر وہ ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو)، اے عثمان! عمر ابن خطاب اس کا صحیح مصداق ہیں!!"

کیا ان تعریفوں میں اخلاص و للّٰہیت کا جذبہ محسوس نہیں ہوتا؟ کیا ان بلند اوصاف حضرات میں منافقت اور ریاکاری کا تصور کرنا انسانیت کی توہین نہیں؟ حضراتِ صحابہ رضؓ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ قرآن کریم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے والوں کی تعریف میں کہا:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصف: ۴)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں

© rasailojaraid.com

صف بستہ ہو کر، گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

اس کے مقابلہ میں منافقوں اور کافروں کے متعلق کہا گیا:

بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ○ (الحشر : ۱۴)

"ان (دشمنانِ حق) کے اندر شدید قسم کا اختلاف اور سخت دشمنی ہے۔ (اے مخاطب!) تم ان کو متحد سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں، اور ان کا یہ حال اس لیے ہے کہ یہ عقل و دُور اندیشی سے محروم ہیں۔"

دشمنانِ اسلام (کفارِ قریش ہوں یا مدینہ کے منافقین اور یہودی) کا رسولِ پاکؐ کے مقابلہ میں اتفاق و اتحاد کسی مثبت اصول پر قائم نہیں تھا، بلکہ مخالفتِ رسولؐ کے منفی مقصد نے انہیں ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کسی منفی مقصد پر اتفاق پائیدار نہیں ہوتا۔ جبکہ ان کے مدِ مقابل حضراتِ صحابہ کرامؓ کو ایک مثبت مقصدِ حیات (اسلام، اطاعتِ رسولؐ) نے اندر اور باہر دونوں جہتوں سے ایک فولادی دیوار بنا دیا تھا۔

(۲) جماعتِ صحابہؓ کی دُوسری خصوصیت:

فطری حکم برداری، فطری اسلام

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ، ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ۔ (الفتح : ۲۹)

اس اہم آیت کے اس خاص فقرہ پر غور کرو: أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

© rasailojaraid.c

رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ (سخت ہیں کافروں کے مقابلہ میں، رحمدل ہیں آپس میں۔) سختی اختیار کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کے ساتھ ظلم و تشدد یا بد خلقی کا برتاؤ کرتے ہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل میں اتنے مضبوط ہیں کہ کسی دشمن کے خوف یا کسی دوست کے لالچ سے کمزور نہیں ہوتے، کسی سے دبتے نہیں۔ عربی میں "فلانٌ شدیدٌ علیہ" کا یہی مفہوم ہے۔ اس کے مقابلہ میں "رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ" کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حدودِ شرع کے دائرہ میں رہ کر آپس کے معاملات میں نرمی اختیار کرتے ہیں، ایک دوسرے بھائی کے ساتھ جھکاؤ اور شفقت کا معاملہ کرتے ہیں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۵)

"ایمان والوں میں جو آپ کی اتباع کرتے ہیں ان کے ساتھ تواضع اور نرمی کے ساتھ پیش آیا کیجئے"۔

مؤمنین کے ساتھ 'اتباع' کا لفظ اس لیے بڑھایا تاکہ واضح ہو جائے کہ مومنین سے کوئی خاص طبقہ یا خاص خاندان مراد نہیں ہے بلکہ جو بھی آپؐ کی اتباع کرے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے اس نکتہ کو اپنے تشریحی حاشیہ میں واضح کیا اور فرمایا:

"شفقت میں رکھ ایمان والوں کو، اپنے ہوں یا پرائے"۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا اجتہادی نکتہ

"اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی تفسیر کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے وہ بڑا فکر انگیز ہے۔ فرماتے ہیں:

"جو تندی اور نرمی اپنی خُو ہو وہ سب جگہ برابر چلے، اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ"۔ (موضح القرآن ۸۵۲)

مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اصل فطرت نہ نرمی ہے اور نہ سختی ہے۔

© rasailojaraid.com

فطری وصف ہر موقعہ پر نمایاں ہوتا ہے۔ ان حضرات کی اصل فطرت تعمیل حکم ہے۔ ایمان باللہ نے ان حضرات کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جسے قرآن کریم نے فرشتوں کا مقام قرار دیا ہے۔ یعنی:

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝

(التحریم : ٦)

ملائکہ کی فطرت اور مقصدِ تخلیق یہ ہے کہ وہ حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ بڑا نازک مقام ہے، اس لیے حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑے ادب و احتیاط سے اس نازک مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ بہر حال بشر تھے اور بشری لوازمات سے متصف تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جس جماعت کو کارِ نبوت کے لیے قوتِ نافذہ بنایا ہو اس جماعت کو فطری طور پر اطاعت گذاری کے وصف پر قائم کر دیا۔ بشریت نے کبھی کبھی اپنا رنگ دکھایا، لیکن بشریت کے لوازمات مغلوب رہے۔

توحید کا تحفّظ

صحابہ کرامؓ کے فطری اسلام کی وضاحت ہمیں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی زندگی کے تین اہم واقعات میں ملتی ہے، جن میں ان حضرات نے نہ صرف اسلام کے بنیادی رکن 'توحید' پر استقامت دکھائی، بلکہ توحیدِ الٰہی کے تحفظ کا حق ادا کیا۔

(۱) پہلا واقعہ حضرت عمرؓ کا حجرِ اسود کو خطاب کرنے کا ہے۔

(۲) دوسرا واقعہ صلح حدیبیہ کے ببول کے درخت کا کٹوانا ہے۔

(۳) تیسرا واقعہ حضرت عائشہؓ کا یہ کہنا کہ "بحمد اللہ لا بحمدک"

حضرت عمرؓ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کا جذبۂ وحدانیت جوش میں آگیا۔ خیال آیا کہ اس مرکزِ توحید میں ایک پتھر کی یہ اہمیت کہ اسے چوما جا رہا ہے۔ عوام کے لیے یہ تعظیم فتنہ بن سکتی ہے، اس کا دروازہ بند کیا جائے۔ چنانچہ جوش میں آکر حجرِ اسود کو مخاطب کر کے فرمایا:

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

وَاللّٰہِ اِنَّکَ حَجَرٌ، لَا تَنفَعُ وَلَا تَضُرُّ (خدا کی قسم! اے حجرِ اسود، تُو صرف ایک بے اختیار پتھر ہے، تیری ذات سے نہ کسی کو نفع پہنچتا ہے اور نہ نقصان پہنچتا ہے!) اس نعرۂ وحدت میں حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی دعوتِ توحید کا جلال پوشیدہ تھا جب آپؑ نے فرمایا تھا: [1] وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۵۸، خدا کی قسم! تمہاری باطل عقیدت کو توڑنے کے لیے تمہارے جانے کے بعد میں ان بُتوں کی خبر لُوں گا، چنانچہ ابراہیمؑ نے ایک بڑے دیوتا کو چھوڑ کر سب کا چُورا چُورا کر دیا۔) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے حجرِ اسود! مَیں تجھے اس لیے چُومتا ہوں کہ مَیں نے اپنے نبیؐ کو چُومتے دیکھا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جس ببول کے درخت کے نیچے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعۃ الرضوان لی تھی، اس درخت کی لوگوں نے زیارت شروع کر دی تھی۔ وہ درخت بابرکت تھا، قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے (اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ) لیکن دورِ اوّل میں اس کی زیارت کا اہتمام مستقبل میں اس کی پرستش کی صورت پیدا کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس خطرہ کا احساس فرمایا اور عقیدۂ توحید کی حفاظت کی خاطر اسے کٹوا دیا۔ بزرگوں کے آثار کی تعظیم درست ہے، لیکن اگر اس میں عوام کی طرف سے عقیدت مندی کے غُلو کا اندیشہ ہو تو اس میں حد درجہ احتیاط کرنا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کو فتح مکّہ کے موقع پر حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی یاد تھا کہ: "آج میرا بھی دل چاہتا ہے کہ مَیں لوگوں کو اپنے ہاتھ سے زم زم کا پانی پلاؤں اور یہ خدمت انجام دوں، لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ میرے بعد لوگ اسے میری سنّت قرار دے کر اس پر عمل شروع کر دیں گے اور لوگوں کے لیے

---

[1] حضرت عمرؓ کے حجرِ اسود کو مخاطب کرنے کی جو تعبیر صاحبِ مضمون نے کی ہے، وہ کسی قدر محلِ نظر معلوم ہوتی ہے اور تحقیق طلب ہے۔ ضروری نہیں کہ ادارہ حکمتِ قرآن کو اس سے اتفاق ہو۔

© rasailojarai
© rasailojarai

پریشانی پیدا ہو جائے گی۔"

تیسرا واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ منافقین کی طرف سے لگائی جانے والی تہمت کے بعد جب رسولِ پاکؐ اور خانوادۂ صدیقؓ کے ایمان کی آزمائش پوری ہو گئی تو حضرت صدیقہؓ کی صفائی میں قرآن کریم کی آیات نازل ہو گئیں۔ رسولِ اکرمؐ حضرت صدیقہؓ کے پاس ان کے میکے میں تشریف لے گئے اور صدیقہؓ کو بشارت سنائی۔ والدہ امِّ رومان نے کہا:

"بیٹی کھڑی ہو جاؤ اور حضورؐ کا شکریہ ادا کرو۔"

حضرت صدیقہؓ نے جواباً فرمایا: "لَا اَحْمَدُهٗ وَلَا اَحْمَدُ كُمَا وَلٰكِنْ اَحْمَدُ اللّٰهَ الَّذِیْ اَنْزَلَ بَرَاءَتِیْ" (میں نہ رسولِ پاکؐ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور نہ آپ دونوں کا، بلکہ اس خدا کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری صفائی میں قرآن نازل کیا۔)

حضرت صدیقہؓ کے جواب میں گستاخی کا پہلو نہیں، بلکہ جلالِ توحید کا وہ رنگ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے اس قول میں نظر آ رہا ہے جو ملائکہ سے فرمایا:

"حَسْبِیْ سُوَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ" (مجھے کسی کی امداد نہیں چاہیے، میرا رب مجھے کافی ہے جو میرے حال سے واقف ہے۔) رسولِ پاکؐ نے بھی حضرت صدیقہؓ کے جواب کو گستاخی نہیں سمجھا، بلکہ اسے شانِ توحید کے جلال پر محمول کیا۔ حضرت عائشہؓ کے مزاج سے حضورؐ واقف تھے، آپؐ فرمایا کرتے تھے: عائشہ! میں تمہارے مزاج سے خوب واقف ہوں۔ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتی ہو: "وَرَبِّ مُحَمَّدٍ" (قسم ہے محمدؐ کے رب کی!) اور جب ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ "وَرَبِّ اِبْرَاهِیْمَ" (قسم ہے ابراہیمؑ کے رب کی!)

(جاری ہے)

بقیہ: حکمت اقبال

مجبوری سے نہیں کرتا بلکہ ایک ایسی خواہش سے کرتا ہے جسے وہ روک نہیں سکتا۔

بے تجلّی مردِ دانا رہ نبرد ‏‏‏‏ از لکد کوبِ خیالِ خویش مُرد

بے تجلّی زندگی رنجوری است ‏‏‏‏ عقل مہجوری و دیں مجبوری است

© rasailojaraid